ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابویحییٰ

نومبر ۲۰۱۹
www.inzaar.pk
November 2019

قرآن کے مطابق جنت صبر کا بدلہ ہے
مگر یہ وہ وصف ہے جو ہم میں شاید
سب سے کم پایا جاتا ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ماہنامہ

اِنذار

نومبر 2019ء ربیع الاول 1441ھ

جلد 7 شمارہ 11

مدیر:
ابویحییٰ ریحان احمد یوسفی

سرکولیشن مینیجر:
غازی عالمگیر

معاون مدیر:
عابد علی، بنت فاطمہ،
سحر شاہ، عظمیٰ عنبرین

معاونین:
محمد شفیق، محمود مرزا

فی شمارہ ــــ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 700 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

ابویحییٰ کے قلم سے

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

سردیوں کی نماز

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر دن میں پانچ وقت نماز فرض کی ہے۔ یہ پانچ نمازیں شب و روز کے آٹھ پہروں میں سے پانچ پر فرض کی گئی ہیں۔ دن کے آغاز پر فجر، دوپہر میں ظہر، سہ پہر میں عصر، سورج ڈوبنے کے بعد مغرب اور سونے سے قبل عشا کی نماز ادا کرنا ضروری ہے۔

کچھ لوگوں کو یہ نمازیں بہت زیادہ لگتی ہیں۔ خاص طور پر سردیوں میں ظہر سے عشاء تک کی نمازوں کا باہمی وقفہ بہت کم ہوتا ہے۔ ایسے بہت سے لوگوں کو محسوس یہی ہوتا ہے کہ ایک نماز سے فارغ نہیں ہوئے کہ دوسری کا وقت ہو گیا۔ بہت سے لوگ اس وجہ سے نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ کچھ لوگ نماز پڑھ لیتے ہیں، لیکن ان کے لیے یہ ایک بڑا بوجھل عمل ہوتا ہے۔

یہ رویہ نماز کے قانون کو درست طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ دین میں دیگر عبادات کی طرح نماز کی ایک سطح فرض کی ادائیگی کی ہے جس میں انسان جواب دہی سے بچ جاتا ہے۔ دوسری سطح نماز کے جمال و کمال کی ہے۔ پہلی سطح میں کوئی شخص فجر میں دو، ظہر، عصر اور عشاء میں چار چار اور مغرب میں صرف تین رکعتیں اپنے گھر میں بھی پڑھ لے تو فرض ادا ہو جائے گا۔ یہ کل سترہ رکعتیں بنتی ہیں جن کی ادائیگی میں وضو کا وقت ملا کر بھی آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگتا۔

اس کے بعد نماز کا جمال و کمال آتا ہے۔ اس میں جس کی جتنی ہمت، شوق اور جذبہ ہو گا وہ اتنا ہی آگے بڑھتا جائے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد ہر چیز کو فضیلت کا موضوع قرار دیا ہے۔ نماز باجماعت ہو، مسجد میں ہو، اس کے ساتھ نوافل پڑھے جائیں جنھیں ہمارے ہاں نماز کی سنتیں کہا جاتا ہے، نماز میں طویل قرأت ہو، خشوع و خضوع ہو؛ یہ سب وہ چیزیں ہیں جو نماز کو زیادہ سے زیادہ مقبول بناتی ہیں۔ مگر یہ وہ سطح ہے جسے ہر شخص اپنے ذوق، حالات، مصروفیات اور جذبے کے لحاظ سے خود طے کرے گا یا اس کی کیفیات خود طے کر دیں گی۔

نماز کا یہ قانون اور نماز کی ادائیگی کی یہ دو سطحیں اگر واضح ہو جائیں تو پھر ہر شخص اپنے حالات کے لحاظ سے نماز کو بہتر سے بہتر طریقے پر ادا کرے گا۔ وہ نماز کو ترک نہیں کرے گا۔ اسے نماز بوجھ نہیں لگے گی۔ وہ نماز کی فضیلت میں سے کسی فضیلت کو چھوڑے گا تو اسے احساس جرم نہیں ہوگا۔

مثلاً ایک شخص کسی وجہ سے مسجد میں جانے کی فرصت یا ہمت نہیں پاتا، وہ کسی وقت فرض کے علاوہ نوافل کی ادائیگی کا وقت نہیں پاتا، ایسے میں وہ صرف فرض نماز اپنی جگہ پر ہی ادا کر کے خود کو یاد دلا دے گا کہ وہ اپنے رب کا بندہ ہے۔ اسے خدا سے دوری کا کوئی احساس نہیں ہوگا۔ یہ جذبہ ایک دوسرے وقت میں اسے مجبور کرے گا کہ وہ نوافل بھی پڑھے اور مسجد بھی جائے۔ مسجد جاتے ہوئے وہ ہر قدم پر محسوس کرے گا کہ گناہوں کی آلودگیاں دھل رہی ہیں۔ نیکیاں بڑھ رہی ہیں۔ مسجد کے روحانی ماحول سے وہ اپنے ایمان کو تازہ کرے گا۔ اجتماعی عبادت کی فضیلت حاصل کرے گا۔

یہ چیزیں اس کی روحانیت کو بہت مضبوط کر دیں گی۔ ایسا شخص مشکل ترین حالات میں بھی یہ عزم کرے گا کہ فرض نماز کسی صورت میں نہ چھوڑے۔ مصروف ترین لمحات میں بھی خدا کے سامنے ماتھا ٹیک کر اظہار بندگی کر دے۔ دنیا کو یہ بتا دے کہ وہ اپنے رب کا بندہ ہے۔ مصروفیت میں بھی بندہ ہے۔ بوریت اور بیزاری کی کیفیت میں بھی بندہ ہے۔ مجلسی گفتگو کے دوران میں بھی بندہ ہے۔ دفتر اور دوکان کے کاروبار میں بھی بندہ ہے۔

نماز کا اصل قانون اور اس قانون کی سمجھ انسان کو ایسا ہی بندہ بناتی ہے۔ ایسے بندے کے پاس نماز چھوڑنے کا کوئی عذر نہیں ہوتا۔ سردی ہو یا گرمی، صبح ہو یا شام، گھر ہو یا دفتر نماز کے قانون کا درست فہم ایسے انسان کو کبھی بے نمازی نہیں بننے دیتا۔ اس کی نماز کو اس پر کبھی بوجھ نہیں بننے دیتا۔ اس کی نماز فرض ہو یا نفل، گھر میں ہو یا مسجد میں اسے خدا سے قریب ہی کرے گی۔ یہی وہ نمازی ہے جو کل قیامت کے دن سب سے بڑھ کر خدا کے قریب ہوگا۔

جہنم کا داروغہ مالک

قرآن مجید میں جہنم کے عذاب کی شدت کو ایک مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اہل جہنم دوزخ کے داروغہ کو پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! کچھ ایسا ہو جائے کہ تمھارا رب ہمارا خاتمہ کر دے، (الزخرف 77:43)۔ یہ سوال اہل جہنم کی اس انتہائی مایوسی کا بیان ہے جس میں وہ عذاب کی شدت سے گھبرا کر اور کوئی راہ نجات نہ پا کر موت کی فرمائش کریں گے۔ وہ بھی رد کر دی جائے گی۔

داروغہ جہنم کے نام کے حوالے سے ایک رائے یہ ہے کہ مالک فرشتے کا نام نہیں، اس کا لقب ہے۔ یہ بات ٹھیک محسوس ہوتی ہے۔ فرشتوں کے نام ایسے نہیں ہوتے۔ اس لقب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کریم و رحیم ہستی اہل جہنم کے حال سے بالکل لاتعلق ہو جائے گی اور داروغہ جہنم کو ان کے معاملات کا مالک بنا دیا جائے گا۔ اہل جہنم کو ان فرشتوں کے حوالے کر دیا جائے گا جو انتہائی تندخو اور سخت مزاج ہیں۔ یہ فرشتے ان پر ہر قسم کے عذاب کی انتہا کو نافذ کر دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سخت سزا کس جرم کی ہے؟ مالک کا لقب ہی اس سوال کا جواب ہے۔

یہ عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا جو اِس دنیا میں خدائے رحمٰن و کریم کو تنہا اپنا مالک و مولیٰ بنانے پر راضی نہیں ہوئے۔ انھیں خدائے کریم کے ساتھ ہمیشہ کسی دوسرے مالک، مولیٰ، آقا، ان داتا اور حامی و ناصر کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ ان کی نذر، نیاز، سجدہ، دعا، محبت، شوق کا مرکز و محور خدا کے سوا کوئی اور رہا۔ ایسے مجرموں کا انجام یہی ہے کہ اصل مالک روزِ قیامت ان کو جہنم کے داروغہ مالک کے حوالے کر دے جو ان کی زندگی کو سراپا جہنم بنا کر رکھ دے گا۔

آج لوگوں کے پاس یہ موقع ہے کہ وہ سب کو چھوڑ کر رب رحمٰن سے لو لگا لیں۔ تنہا اسی پر ایمان لائیں، اسی کی مانیں، اسی پر توکل کریں، اسی سے امید رکھیں، اسی سے وفا کریں اور تن تنہا اسی کو اپنا مالک سمجھیں۔ جو لوگ آج یہ کریں گے کل ان کا بدلہ جنت کی ابدی بادشاہی ہے۔

حب الوطنی اور لیڈر پرستی

جو محبّ وطن ہوتا ہے وہ لیڈر پرست نہیں ہوتا اور جو لیڈر پرست ہوتا ہے وہ محبّ وطن نہیں رہ سکتا۔ ہم شاید دنیا کی واحد قوم ہیں جہاں عوام اپنے ملک وقوم کے وفادار ہونے کے بجائے اپنے لیڈرز کے عاشق اور اپنے نظریاتی، لسانی یا صوبائی گروہ کے وفادار ہوتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ وہ خود کو محبّ وطن بھی سمجھتے ہیں۔

کوئی ملک ترقی نہیں کرسکتا اگر اس کے عوام ملک کو سب سے بڑھ کر اہم نہ سمجھیں۔ کوئی قوم دنیا کی فلاح نہیں پاسکتی اگر اس کے افراد کے لیے قوم کا مفاد سب سے اہم نہ ہو۔ مگر ہمارے ملک میں اس وقت کی سیاسی صورتحال دیکھ لیجیے تو صاف معلوم ہوگا کہ یہاں کوئی پی ٹی آئی کا سچا عاشق ہے، کوئی مسلم لیگ کا دیوانہ ہے اور کوئی پیپلز پارٹی کا جیالا ہے۔

اب یہ سب اپنے اپنے دائرے میں ملک کا کتنا ہی بیڑا غرق کیوں نہ کریں، وہ بندہ مر جائے گا، مگر اپنی لیڈر شپ پر تنقید برداشت نہیں کرے گا۔ اس کا کام بس یہ ہوگا کہ ہر وقت اپنی پارٹی اور لیڈر کی اندھی حمایت کرتا رہے۔ کوئی اس کی پارٹی اور لیڈر پر معقول تنقید کردے تو وہ لٹھ لے کر اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔ چاہے اس کے لیے گالیاں بکنی پڑیں، مذاق اڑانا پڑے، جھوٹے اعداد و شمار بیان کرنے پڑیں، حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا پڑے، جھوٹے پروپیگنڈے کو آنکھیں بند کرکے آگے بڑھانا پڑے، لایعنی اور باطل دلیلوں کے انبار لگانا پڑیں؛ اسے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

لیڈر پرستی کو اختیار کرنے والے اصل لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے کسی لیڈر سے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ مگر وہ اسے ایک اصولی نقطہ نظر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ دوسرے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی نادانی کی بنا پر پہلی قسم کے لوگوں کے جھوٹے پروپیگنڈے پر یقین کر لیتے ہیں۔ مگر ایسے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ اصلاً لیڈر پرست ہیں نہ کہ محبّ وطن۔

دین کا خلاصہ

دین انسان سے کیا چاہتا ہے، قرآن مجید نے اس بات کو بہت تفصیل کے ساتھ بھی بیان کیا ہے اور بہت اختصار سے بھی یعنی دونوں طرح سے بیان کیا ہے۔ اختصار کی ایک مثال سورہ انعام کی آیت نمبر 162 ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے نبی کہہ دو! بے شک میری نماز اورمیری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے''، (الانعام 162:6)

اس آیت میں بہت سادہ طریقے پر دینی مطالبات کا خلاصہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی جب انسان کی زندگی اور موت دونوں رب کی رضا کے لیے وقف ہو جائیں تو اس نے گویا دین کو مکمل طور پر اختیار کرلیا۔ اس کی علامت انسان کی نماز اور قربانی ہوتی ہے۔ یہ اس بات کا علامتی اظہار ہے کہ اب بندے کی زندگی رب کی اطاعت میں گزرے گی اور اسی راہ میں اسے موت آئے گی۔

انسان اپنی زندگی اور موت کو کب خدا کے لیے وقف کرتا ہے، اس سوال کا جواب بہت سادہ ہے۔ انسان ایسا اس وقت کرتا ہے جب اسے معلوم ہو جائے کہ خدا اس کی ذات سمیت کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کے رب کی عطا ہے۔ بندہ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی نگرانی میں ہے۔ وہ سب جانتا ہے۔ اسے سب خبر ہے۔

یہی نہیں انسان جب مرتا ہے تو وہ مرتا نہیں بلکہ وہ خدا کی اس دنیا میں داخل ہو جاتا ہے جہاں غیب میں موجود فرشتے، خدا اور جنت وجہنم سب سامنے آجاتے ہیں۔ اس خدا کو کسی نے راضی کرلیا تو ختم نہ ہونے والی ابدی بادشاہی انسان کا مقدر ہے۔ اور اگر خدا ناراض ہو گیا تو پھر ابدی بدبختی کے سوا کوئی انجام نہیں۔ یہی وہ علم ہے جو انسان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی اور موت دونوں خدا کی نذر کردے۔ جو شخص یہ سودا کرے گا وہ کائنات کا سب سے خوش نصیب شخص بن جائے گا۔

معاشرے کو بہتر بنانے کا نسخہ

میری ابتدائی رسمی تعلیم تمام تر اردو زبان میں ہوئی ہے۔ تاہم اسکول کے زمانے میں میرے گھر والوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ انگریزی میں مہارت بھی بہت ضروری ہے، مجھے انگریزی زبان کے ایک انسٹیٹیوٹ میں داخل کرادیا جو اُس زمانے میں شہر کا واحد انسٹیٹیوٹ تھا اور جہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور انگریزی کے ماہرین انگریزی زبان کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

یہ انسٹیٹیوٹ گھر سے کافی دور تھا۔ وہاں جانے کے لیے دو بسیں بدلنی پڑتی تھیں۔ اپنے گھر سے ہم ایک منی بس میں بیٹھا کرتے تھے۔ اسی منی بس کے راستے سے ہمیں دوسری بس مل جایا کرتی تھی۔ مگر یہ منی بس کا کوئی اسٹاپ نہ تھا۔ بسوں ویگنوں میں سفر کرنے والے جانتے ہیں کہ انھیں مسافر بٹھانا ہو تو یہ کہیں بھی بس روک لیتے ہیں اور اتارنا ہو تو اسٹاپ ہی پر روکتے ہیں۔ چنانچہ وہاں بنے ایک اسپیڈ بریکر پر منی بس جب آہستہ ہوتی تو ہم چلتی ہوئی منی بس سے چھلانگ لگا کر اتر جایا کرتے۔ یہ ایک خطرناک کام تھا مگر ہمارا روز کا معمول تھا۔

یہ منی بس ہمارے گھر تک عام طور پر خالی ہوتی تھی۔ اس لیے ہمیں سیٹ مل جایا کرتی تھی۔ مگر بعد میں آنے والے کھڑے ہو کر سفر کیا کرتے تھے۔ میری عادت تھی کہ اگر کوئی بزرگ آجاتا تو میں اپنی سیٹ اسے دے کر خود کھڑا ہو جاتا تھا۔ ایک روز ایسا ہی ہوا کہ ایک بزرگ بس میں چڑھے اور میں ان کے لیے اپنی سیٹ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسری بس ملنے کی جگہ قریب آئی تو میں دروازے کے پاس چلا گیا تاکہ حسب معمول چھلانگ لگا کر اتر سکوں۔ کنڈکٹر نے جب دیکھا کہ میں وہی سیٹ چھوڑنے والا لڑکا ہوں اور یہاں حسب معمول منی بس نہیں رکے گی تو اس نے زور سے دروازے کو ہاتھ مار کر کہا۔ استاد گاڑی جام کر۔ بڑا قیمتی آدمی ہے۔

گاڑی مکمل رک گئی۔ میں آرام سے اتر گیا۔ کنڈکٹر نے ''ڈبل ہے'' کا نعرہ لگایا۔ گاڑی

تیزی سے آگے نکل گئی۔ اس واقعے پر کئی عشرے گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز پر بہت فضل فرمایا ہے اور اس کی تحریروں اور تقریروں کی تحسین اور تعریف میں بڑے بڑے لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ ان میں سے کوئی بات مجھے یاد نہیں۔ مگر اُس کنڈکٹر کی یہ آواز آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اُس وقت میں ایک عام سا اسٹوڈنٹ تھا جس کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ ہم عام لوگوں کی تعریف کرنے، ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنے میں بہت بخیل واقع ہوئے ہیں۔ ہم خاص لوگوں کی تعریف کر دیتے ہیں۔ بلکہ بارہا ان کی عقیدت کو زندگی بنا لیتے ہیں۔ مگر عام آدمی اکثر ہمارے اعتراف سے محروم رہ جاتا ہے۔

ہم یہ بات نہیں جانتے کہ انسانی معاشرے خاص لوگ نہیں بلکہ عام لوگ چلاتے ہیں۔ ان کا اعتراف کرنا اور ان کی تعریف کرنا ان کے اندر ایک نئی زندگی پیدا کر دیتا ہے۔ اس اعتراف کے بعد وہ لوگ مزید شوق اور لگن سے اپنا کام کرتے، ذمہ داریاں اٹھاتے اور قربانیاں دیتے ہیں۔ یہ عام لوگ ہم میں سے ہر شخص کے ارد گرد پائے جاتے ہیں۔ کوئی کنڈکٹر، کوئی ڈرائیور، کوئی ملازم، کوئی ماتحت، کوئی پھل فروش کوئی نانبائی اور کوئی طالب علم۔ یہ عام آدمی کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ آپ کا ایک جملہ، آپ کی ایک تھپکی، آپ کی ایک حوصلہ افزا مسکراہٹ؛ اس عام آدمی کو خاص بنا سکتی ہے۔ اس میں نئی روح اور نئی توانائی بھر سکتی ہے۔ اس کو اور زیادہ اچھا اور ذمہ دار بنا سکتی ہے۔

ہم سب کو دوسروں کی خوبیوں کے عدم اعتراف کی بری عادت کو چھوڑنا ہوگا۔ جہاں کوئی اچھا کام دیکھیں، جہاں اچھا رویہ دیکھیں، جہاں ذمہ داری اور فرض شناسی دیکھیں۔ اس کا اعتراف کریں۔ یہ معاشرے کو بہتر بنانے کا بہت آسان اور سستا نسخہ ہے۔

جنت کی خوشبو

سگمنڈ فرائڈ (1856-1939) کا شمار دور جدید کے اہم ترین ماہرینِ نفسیات میں سے ہوتا ہے۔ فرائڈ کی ایک کتاب Civilization and Its Discontents میں اس نے یہ نقطہ نظر پیش کیا ہے کہ فرد اور معاشرے کے درمیان ایک ناگزیر تصادم پایا جاتا ہے۔ فرد کی جبلت لامحدود طور پر اپنی تسکین چاہتی ہے۔ جبکہ معاشرے کی بقا اسی میں ہے کہ جبلتوں کو ایک محدود دائرے میں رکھ کر ان کی تسکین کی جائے۔ ورنہ ہر شخص دوسرے کو تباہ کر دے گا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں سماج فرد کی خواہش کو مذہب، اخلاق، اقدار اور قانون کی بیڑیاں پہنا کر اسے ایک مناسب حد پر رکھتا ہے۔

یہ بیڑیاں زیادہ سخت ہوں تو فرد کی نفسیات کو نقصان پہنچاتی ہیں اور بہت نرم ہوں تو معاشرے میں انارکی کو جنم دیتی ہیں۔ چنانچہ معاشرے کی ضرورت وہ توازن ہے جو فرد کی خواہش کی تکمیل اور اجتماع کی بقا کو یقینی بنائے۔ اس کی ایک سادہ مثال انسانوں کا جنسی جذبہ ہے۔ اس کو بے لگام چھوڑا جائے تو خاندانی نظام تباہ ہو جاتا ہے اور ناروا پابندیاں لگا دی جائیں تو بگاڑ کی دیگر شکلیں سامنے آجاتی ہیں۔

خواہش اور دانش کی یہ جنگ ہر معاشرے میں ہر دور میں جاری رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں دیگر معاملات میں انسانوں کی رہنمائی کی ہے وہیں اس باب میں انسانی تعلقات کو نکاح کے دائرے میں محدود کر کے، زنا کو حرام قرار دے کر اور مرد وزن کے اختلاط کے موقع پر کچھ پابندیاں لگا کر یہی مطلوبہ توازن عطا کیا ہے۔ انسان جب بھی خدائی رہنمائی کو اختیار کرتے ہیں تو خواہش اور دانش میں ایک توازن جنم لیتا ہے جو فرد اور معاشرے دونوں کی زندگی کا ضامن بن جاتا ہے۔ یہ رہنمائی چھوڑی جائے تو معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔

تاہم اس حوالے سے ایک سوال یہ ہے کہ جنت کی ابدی زندگی میں یہ توازن کیسے برقرار رکھا جائے گا؟ جنت میں اگر پابندیاں لگائی جاتی ہیں تو وہ جگہ جنت نہیں رہتی ۔ اور اگر خواہش کو لامحدود چھوڑا جاتا ہے تو پھر جنت میں بھی فساد پیدا ہو جائے گا اور ظاہر ہے جنت مقامِ امن ہے، مقامِ فساد نہیں ہے۔

قرآن مجید اس سوال کا جواب دین کے اس نصب العین یعنی تزکیہ نفس کی صورت میں دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔ تزکیہ اپنے آپ کو پاکیزہ رکھنے کا عمل ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم غسل کر کے پسینے اور بدبو سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ بدبو کی نفرت ہماری طبیعت میں شامل ہے۔ تزکیے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اخلاقی برائیوں کو بھی بدبو کی طرح براجان کر ان سے خود کو بچائیں۔ مثلاً زنا چاہے جبلت کو کتنا ہی پسند ہو، ہمیں اس کی اخلاقی خرابی کی بنا پر اس سے دور رہنا ہوگا۔ یہی تزکیہ ہے جس کی کوشش بندہ مومن عمر بھر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرتے وقت تمام کامیاب لوگوں کا اخلاقی تزکیہ کر دیں گے۔ جس کے بعد انھیں فطری طور پر ہر اخلاقی برائی اسی طرح بری لگے گی جیسے بدبو بری لگتی ہے۔ چنانچہ انسانی خواہش کسی ایسے دائرے میں داخل ہی نہیں ہوگی جہاں اسے اخلاقی بدبو محسوس ہو۔ اس کی ایک ابتدائی شکل اسی دنیا میں اس طرح پائی جاتی ہے کہ لوگ طبعی طور پر محارم میں کوئی کشش محسوس نہیں کرتے۔ یہی چیز جنت میں کامل شکل میں تزکیہ کے ذریعے سے پیدا کر دی جائے گی۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں جنت میں پاکیزہ جوڑوں (البقرہ 25:2) کا تصور دیا گیا ہے۔ یہ پاکیزگی اور طہارت جسمانی اور نفسیاتی دونوں پہلوؤں سے ہوگی۔ یہ نفسیاتی پاکیزگی یقینی بنائے گی کہ وہ مرد جو ہر اجنبی خاتون میں کشش محسوس کرنے لگتے ہیں، کسی دوسرے دائرے

میں کوئی کشش محسوس نہ کریں۔ چنانچہ یہی نفسیاتی پاکیزگی خواہش کی تکمیل کے ساتھ جنت میں امن وبقا کو یقینی بنائے گی۔

تاہم اس سے کسی کو یہ خیال نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انسانی خواہش کو کسی پہلو سے محدود کررہے ہیں۔خواہش کا معاملہ یہ ہے کہ اسے بےلگام چھوڑ دیا جائے تو یہ دوسرے سے پہلے خود اسی شخص کے لیے باعث اذیت ہوجاتی ہے۔ ہر چیز کی خواہش کوئی نعمت نہیں ایک اذیت ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خواہش خوشی میں اس وقت نہیں بدلتی کہ انسان ہر چیز اپنی جھولی میں بھرلے،خواہش خوشی میں اس وقت بدلتی ہے جب انسان وہ پالے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔

تزکیے کاعمل انسان کو ہر ناروا چیز کی خواہش کی اذیت سے بچالے گا اور جنت کا ماحول انسان کو ہر وہ چیز عطا کردے گا جس کی انسان خواہش کرے گا۔اوراس درجہ کے جمال وکمال کے ساتھ عطا کرے گا جو انسان کے تصوراور خواہش سے بھی بلند ہوگا۔یہی چیز جنت میں انسان کی ابدی خوشی اور ابدی مسرت کا اصل راز ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالی سات قسم کے آدمیوں کو اپنے سایہ میں لے گا جس دن کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، امام عادل اور وہ جوان جس نے اپنی جوانی اللہ کی راہ میں صرف کی ہو اور وہ مرد جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے اور وہ دو آدمی جو آپس میں خدا کے لئے محبت کریں اور وہ جسے کوئی منصب والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور وہ جو پوشیدگی سے اس طرح صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1711)

ابو یحییٰ

صبر: دنیا اور آخرت میں کامیابی کا راستہ

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ اس کتاب کے نزول کے ساتھ انبیا کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اسی بات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب خدا کا پیغام پہنچانے کے معاملے میں کتنی واضح ہے کہ اب کسی نبی کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ دین کا اصل پیغام یعنی ایمان و اخلاق کو انسانوں تک پہنچائیں۔ یہ پیغام نہ صرف اس کتاب میں پوری شرح و وضاحت کے ساتھ بار بار دہرایا گیا ہے بلکہ مطلوب اعمال کی قدر و قیمت بھی اس طرح واضح کی گئی ہے کہ تدبر کی نگاہ سے قرآن پڑھنے والا کوئی شخص اس قدر و قیمت سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔

ان مطلوب اعمال و اوصاف میں سے ایک صبر کا وصف بھی ہے۔ آج اسی پر تفصیل سے گفتگو ہوگی اور اس مضمون کے مطالعے کے بعد اس طالب علم کا یہ یقین ہے کہ انشاءاللہ صبر سے متعلق قارئین کا نقطہ نظر بالکل بدل جائے گا۔

صبر سے متعلق غلط فہمیاں

یہ جو آخری بات کہی گئی ہے کہ صبر سے متعلق قارئین کا نقطہ نظر بالکل بدل جائے گا، اس کی ایک وجہ ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے ہاں عام طور پر صبر کو وہ اہمیت نہیں دی گئی جو اہمیت اسے قرآن مجید نے دی ہے۔ صبر ہمارے ہاں عام طور پر ایک سلبی چیز سمجھا جاتا ہے جو مجبوری اور بے بسی کے عالم میں کیا جاتا ہے۔ اس کا دائرہ غم و مشکلات تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اسے ہمارے ہاں عام طور پر کم ہمتی اور بزدلی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس کے معنی اور مفہوم کے حوالے سے بھی بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔

ان سب وجوہات کی بنا پر صبر نہ صرف ہمارے مذہبی فکر میں اپنی اصل جگہ نہیں پا سکا بلکہ اس کی عدم موجودگی کی بنا پر ہمارے پورے تربیتی نظام میں بڑی کمزوری پیدا ہوگئی ہے۔ ہمارے معاشرے کے بہت سے مسائل کے پیچھے یہ حقیقت کارفرما ہے کہ صبر ہماری تربیت کا حصہ نہیں ہے یا ہم صبر کے مفہوم ہی سے واقف نہیں ہیں۔ جبکہ درحقیقت صبر انسانی شخصیت کا سب سے اہم اور بنیادی وصف ہے۔ صبر نہ ہو تو کوئی شخص دنیا میں کوئی بڑا کام نہیں کرسکتا۔ قرآن مجید اسے دنیا و آخرت میں فلاح کا راستہ قرار دیتا ہے۔ آج کی اس گفتگو میں انشاء اللہ انھی چیزوں کی تفصیلی وضاحت قرآن مجید کی روشنی میں کی جائے گی۔

صبر: فلاحِ آخرت کا راستہ

گفتگو کے آغاز میں یہ طالب علم قرآن مجید کی روشنی میں اس حقیقت کو واضح کرے گا کہ آخرت کے پہلو سے اللہ تعالیٰ صبر کو کس مقام پر رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ جنت کی فوز وفلاح کو بیان کرتے ہیں تو عام طور پر اسے کچھ متعین اعمال کی جزا کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ دوسری شکل یہ ہوتی ہے کہ وہ پورے دین کا خلاصہ ایمان و عمل صالح کی شکل میں بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کو اختیار کرتے ہیں ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

تاہم قرآن مجید کے کئی مقامات پر انھوں نے تمام اعمال، عبادات، اخلاقیات اور سب سے بڑھ کر ایمانیات کو چھوڑ کر صرف صبر ہی کو جنت میں داخلے کی وجہ بتایا ہے۔ تنہا اسی بات سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک صبر کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چند مقامات درج ذیل ہیں۔

إِنِّی جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ۔ المومنون 111:23

''آج ان کے صبر کا میں نے ان کو صلہ دیا ہے کہ وہی کامیاب ہیں۔''

وَجَزَاهُم بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا. الدھرً 12:76

''اوران کے صبر کے بدلے میں انھیں (رہنے کے لیے) باغ اور (پہننے کے لیے) ریشمی پوشاک عطافرمائی''

أُوْلَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَاماً ۔ خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً ۔ الفرقان 75-76:25

''یہی ہیں جن کوان کی ثابت قدمی کے صلے میں بہشت کے بالاخانے ملیں گےاور وہاں آداب وتسلیمات کےساتھ ان کااستقبال کیا جائے گا۔''

أُوْلَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا ......وَالمَلاَئِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ۔ سَلاَمٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔**الرعد**22-24:13

''اگلے گھر کا انجام انھی کے لیے ہے۔ابد کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے......فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔اورکہیں گے:تم لوگوں پرسلامتی ہو،اس کے لیے کہ تم ثابت قدم رہے۔سوکیا ہی خوب ہے یہ اگلے گھر کا اچھا انجام!''

ان مقامات کو پڑھیےاور بار بار پڑھیے۔آپ پر صبر کی اہمیت واضح ہوگی کہ کس طرح جنت کی کامیابی،اس کے باغات،اس کا ریشمی لباس،اس کے بلند وبالا گھر،اس میں فرشتوں کے سلام غرض ہر نعمت کوصبر کا بدلہ قرار دیا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس پہلو سے قرآن مجید میں کوئی دوسرا وصف ڈھونڈنا مشکل ہےجس کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح گفتگو کی ہو۔

صبر:دنیامیں فلاح کاراستہ

معاملہ صرف آخرت ہی کا نہیں بلکہ دنیا میں بھی فلاح وکامرانی کا دروازہ جس شاہ کلید سے کھلتا ہے،قرآن مجید اسے بھی صبر قرار دیتا ہے۔اس حوالے سے قرآن مجید نے جن چند اہم

پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے، ان کو ہم ذیل میں بیان کر رہے ہیں۔

اس ضمن کی پہلی چیز دشمن پر غلبہ اور جنگ میں کامیابی ہے۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہ بات باعث حیرت ہوگی کہ جنگ جیسے موقع پر جہاں بہادری و جوانمردی کو کامیابی کی کنجی سمجھا جاتا ہے۔جنگی حکمت عملی کو فتح کا راز سمجھا جاتا ہے۔ یا پھر مذہبی پہلو سے دیکھیں تو خیال ہوتا ہے کہ ایمان کو مطلوب صفت کے طور پر پیش کیا جانا چاہیے۔مگر ان سب کے برعکس قرآن مجید جب جنگ میں کامیابی اور دشمن پر غلبے کا راستہ بتا رہا ہے تو اس وقت سارے اوصاف چھوڑ کر صبر کا وصف بیان کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْن(الانفال8:65)

''اگر تمھارے لوگوں میں بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دوسو پر غالب آئیں گے۔''

یہ جنگ بدر کا موقع تھا جب صحابہ کرام کی وہ جماعت میدان میں تھی جنھیں بلاشبہ قدسیوں کی جماعت کہا جا سکتا ہے اور جن سے بہتر لوگ انسانیت نے کبھی نہیں دیکھے۔مگر ان کا بھی جو وصف قرآن نے بیان کیا ہے وہ صبر ہی ہے۔اس کے بعد مزید لوگ ایمان لائے جن کی بنا پر مومنین کی جماعت میں ایک نوعیت کا ضعف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ایک اور دس کا تناسب بدل کر ایک اور دو کا کر دیا گیا۔مگر مطلوب وصف نہیں بدلا گیا بلکہ وہی رہا۔یعنی دوسو کے مقابلے میں سو صبر کرنے والے ہونے چاہئیں تب ان کو دشمن پر غلبہ ملے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ (الانفال8:66)

''سو تمھارے سو ثابت قدم ہوں گے تو دوسو پر غالب آئیں گے۔''

یہی صبر ہے جس کی درخواست جالوت کے خلاف لڑنے والے ان اہل ایمان نے کی تھی جن کی قیادت طالوت کر رہے تھے۔حضرت داؤد نے اس جنگ میں جالوت کو قتل کیا تھا اور بادشاہ

طالوت نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کردی تھی۔ بعدازاں حضرت داؤد بنی اسرائیل کے حکمران بن گئے۔ اس جنگ کے حوالے سے اہل ایمان کی جو دعا قرآن نے نقل کی وہ درج ذیل ہے۔

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْراً وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ (البقرہ2:250)

''اے ہمارے رب ہم پر صبر انڈھیل دے اور ہمارے قدموں کو جمادے اور ان منکروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔''

یہ دعا صرف صبر کی دعا نہیں بلکہ نصرت الٰہی کی ایک درخواست بھی ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر واضح کردیا کہ نصرت الٰہی کے لیے بھی صبر ہی بنیادی وصف ہے جو مطلوب ہے۔ اس حوالے سے جنگ احد کے موقع پر نازل ہونے والی درج ذیل آیت ملاحظہ کیجیے جس میں فرشتوں کے نزول کو صبر پر موقوف کیا جارہا ہے۔ یہاں گرچہ تقویٰ کا بھی ذکر ہے اور آگے بھی صبر کے ساتھ دوسرے اوصاف بیان ہوں گے مگر نوٹ کیجیے کہ ہر جگہ صبر کو مقدم کرکے اس کی بنیادی حیثیت کو نمایاں کردیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

بَلَى إِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَـذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلافٍ مِّنَ الْمَلآئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ(آل عمران3: 125)

''ہاں کیوں نہیں، اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور تمھارے دشمن اسی وقت تم پر آ پڑیں تو تمھارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جو خاص نشان لگائے ہوئے ہوں گے۔''

موجودہ دور میں مسلمانوں کو اکثر و بیشتر یہود و نصاریٰ، روس و امریکہ، بھارت اور اسرائیل کی سازشوں کی فکر رہتی ہے۔ قرآن نے دشمنوں کی چالوں اور سازشوں کو بھی موضوع بحث بنا کر ان سے بچنے کا نسخہ بتایا ہے۔ اس نسخے کا جز اول ایک دفعہ پھر صبر ہی ہے۔

وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ لاَ يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً(آل عمران3:120)

’’اور (یاد رکھو کہ) اگر تم صبر کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اِن کی کوئی تدبیر تمھیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔‘‘

موجودہ دور میں مسلمان غیر مسلموں سے ہر اعتبار سے بہت کمزور ہیں۔ یہی معاملہ بنی اسرائیل کا تھا جن کا دشمن فرعون ان سے بہت طاقتور تھا۔ حال یہ تھا کہ وہ ان کے نومولود بچوں کو قتل کر دیا کرتا اور وہ اس بدترین ظلم کے خلاف کچھ نہیں بول سکتے تھے۔ وہ قومی طور پر فرعون اور اس کی قوم کے غلام تھے۔ مگر قرآن بتاتا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ کو ان کے درمیان مبعوث کر کے جو وعدے بھی ان کے ساتھ کیے تھے وہ پورے کیے اور ان کے دشمن فرعون کو ہلاک کیا، مگر یہ اس وقت ہوا جب انھوں نے صبر سے کام لیا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ (الاعراف7:137)

’’بنی اسرائیل پر تیرے پروردگار کا وعدۂ خیر اس طرح پورا ہوا، کیونکہ وہ ثابت قدم رہے اور ہم نے فرعون اور اُس کی قوم کا سب کچھ برباد کر دیا جو وہ (اپنے شہروں میں) بناتے اور جو کچھ (دیہات کے باغوں اور کھیتوں میں ٹٹیوں پر) چڑھاتے‘‘

ہمارے ہاں ایک اور اہم مسئلہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ صحیح لیڈرشپ نہیں پیدا ہوتی۔ قرآن مجید نے اس مسئلے کا جو حل بنی اسرائیل کے حوالے سے بیان کیا ہے، اس میں بھی صبر کو مطلوب وصف کے طور پر بیان کیا ہے۔ بلکہ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ یقین یعنی ایمان کا ذکر صبر کے بعد کیا ہے۔ مقدم یہاں بھی صبر ہی کو رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ۔

’’اور جب اُنھوں نے ثابت قدمی دکھائی اور وہ ہماری آیتوں پر یقین بھی رکھتے تھے تو اُن

کے اندر ایسے پیشوا اٹھائے جو ہمارے حکم سے اُن کی رہنمائی کرتے تھے۔‘‘ ،(السجدہ32:24)

صبر سے متعلق غلط تصورات کی تصحیح

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی روشنی ہی میں صبر سے متعلق ہمارے معاشرے میں رائج تصورات کی تصحیح کردی جائے۔ مثلاً جو ایک عام غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ صبر عجز و تذلل، بے بسی، مجبوری و لاچاری میں کیا جانے والا کام ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں ہرگز ایسا نہیں۔ یہاں تو یہ اس قوت و عزم کی اساس ہے جس سے مدد چاہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ صحابہ کرام کو شہادت حق کے منصب پر فائز کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس جدوجہد کا حکم دیا، اس میں انھیں صبر سے مدد چاہنے کی تلقین کی گئی تھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ،(البقرہ2 :153)

’’ایمان والو ثابت قدمی اور نماز سے مدد چاہو۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں۔‘‘

اس آیت میں نہ صرف صبر نماز سے مقدم ہے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ غور کیجیے کہ یہ نہیں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ ہیں۔ حالانکہ نماز کی اہمیت اور عظمت سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس وصف یعنی صبر سے مدد مانگی جارہی ہے اور جس کے ساتھ خدا کی معیت کا وعدہ ہے، وہ عجز و بے بسی کی علامت کیسے ہوسکتا ہے؟

صبر سے متعلق ایک اور غلط فہمی یہ ہے کہ یہ غم کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے پہلی بات یہ ہے کہ صبر کے موقع پر غم نہ کرنے کا تصور اپنی ذات میں ایک غلط تصور ہے۔ غم تو ایک فطری چیز ہے جو محرومی اور نقصان کے ہر موقع پر انسان محسوس کرتا ہے۔ محرومی میں کسی کا غم محسوس کرنا

غیر فطری نہیں بلکہ اسے یہ تلقین کرنا غیر فطری ہے کہ وہ غم محسوس نہ کرے۔

صبر کا اصل مفہوم

صبر کے حوالے سے یہ ساری غلط فہمیاں اس بنا پر پیدا ہو رہی ہیں کہ ہم لوگ صبر کے درست تصور سے واقف ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ صبر کا صحیح تصور قرآن مجید کی روشنی میں لوگوں پر واضح کیا جائے۔

صبر اصلاً ایک مذہبی وصف نہیں بلکہ ایک انسانی وصف ہے۔قرآن مجید نے اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔ ایک موقع پر جب کفار کے سرداروں نے حضور کی دعوت حق کی نفی کی تو اس موقع پر انھوں نے اپنے بتوں سے وابستہ رہنے، ان کی عبادت پر جمے رہنے اور ان کی حقانیت پر مطمئن ہونے کے لیے یہی صبر کا لفظ بولا جسے قرآن نے نقل کر دیا۔ارشادی باری تعالیٰ ہے:

وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ (ص 6:38)

’’ان کے سردار اٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔یہی چیز مطلوب ہے۔‘‘

اس آیت میں بالکل واضح ہے کہ صبر ایک انسانی وصف ہے۔ یہ لفظی طور پر رکے رہنے اور رو کنے کے معنی میں آتا ہے۔آگے بڑھ کر یہی اپنے موقف، نظریے، عمل، رویے اور سوچ پر رکے رہنے اور اپنے آپ کو اس پر روکے رکھنے کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔یعنی یہ ایک اصولی فیصلہ ہے راہ راست پر رہنے کا اور پھر اس سے نہ ہٹنے کا۔

اس کا ایک پہلو وہ ہے جس کا تعلق انسان کے ذہن وفکر سے ہے۔یعنی انسان کسی نقطہ نظر کو درست سمجھے اور پھر ہر طرح کے حالات پر اس نقطہ نظر پر قائم رہے۔اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق انسان کے عملی رویے سے ہے۔یعنی اس نقطہ نظر پر ثابت قدم رہنے میں جو کچھ اچھے برے حالات پیش آئیں، ان میں انسان اس نقطہ نظر سے جنم لینے والے عملی تقاضوں کو نبھانے میں کوئی

کوتاہی نہ برتے۔

دین میں صبر کا مفہوم

دین میں صبر کا یہی مفہوم ہے۔ البتہ جس موقف پر ثابت قدم رہنے کے لیے کہا گیا ہے وہ صرف حق ہے۔حق وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ماننے یا کرنے کے لیے کہا ہو۔اس بات کو سورہ عصر میں بیان کردہ دینی مطالبات کی رو سے سمجھا جا سکتا ہے۔

وَالْعَصْرِ ۔إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ،(العصر 103 :3-1)

’’زمانہ گواہی دیتا ہے، یہ انسان خسارے میں پڑ کر رہیں گے۔ ہاں، مگر وہ نہیں جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور حق پر ثابت قدمی کی نصیحت کی۔‘‘

دیکھ لیجیے کہ یہاں اصل مطالبہ ایمان اور عمل صالح ہے جو خدا کی طرف سے پیش کردہ دو بنیادی نظری اور عملی مطالبات ہیں۔ پھر انھی کو سمیٹ کر ایک لفظ حق سے آگے بیان کر دیا کہ ایمان وعمل صالح کے جس حق کو اہل ایمان خود اختیار کرتے ہیں، اسی کی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ کسی کے قدم اس حق سے ڈگمگا رہے ہیں تو اسے اس حق پر ثابت قدمی یا صبر کی تلقین کرتے ہیں۔

صبر کے مواقع

قرآن مجید نے بالاجمال صبر کا ذکر کرنے کے ساتھ ان مواقع کی خاص طور پر نشاندہی بھی کی ہے جہاں انسان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور جہاں صبر کے بغیر انسان درست رویے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ ذیل میں ہم ان کو ایک ایک کر کے بیان کریں گے۔

مصائب پر صبر

مصائب زندگی کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ خدا نے یہ دنیا امتحان کی جس اسکیم کے تحت بنائی ہے اس میں انسان زیادہ تر نعمتوں میں جیتا ہے، لیکن وقفے وقفے سے انسان محرومی اور مشکلات کے تجربے سے گزرتا ہے جن کی اپنی حکمتیں ہیں۔ لیکن ان نامساعد حالات میں انسان صبر سے کام نہ لے تو پھر وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ انسان کا عقیدہ اور عمل دونوں کی خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ غیر اللہ کے در سے لو لگانا، خدا سے مایوس ہو کر اس کے وجود سے انکار کر دینا، حالات کی سختیوں سے حرام میں مبتلا ہو جانا، سخت حالات میں جزع فزع کرنا اور کلمات کفر کو زبان سے نکالنا وہ چیزیں ہیں جو صبر نہ ہونے کی بنا پر ظاہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ اہل ایمان کو ایسے سارے حالات میں صبر یعنی درست رویے پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ (البقرہ155:2)

”ہم (اس راہ میں) یقیناً تمھیں کچھ خوف، کچھ بھوک اور کچھ جان و مال اور کچھ پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے۔ اور (اِس میں) جو لوگ ثابت قدم ہوں گے، (اے پیغمبر)، انھیں (دنیا اور آخرت، دونوں میں کامیابی کی) بشارت دو۔“

قرآن مجید نے ان مواقع پر صبر کی تلقین کر کے یہ خوشخبری دی ہے کہ اس صبر کا بدلہ خدا کی رحمت و برکت اور اس کی طرف سے ملنے والی خصوصی ہدایت ہے۔ اس کی تفصیل ہمیں حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی میں ملتی ہے۔ آپ نے ہر طرح کے مصائب پر جب صبر کیا تو آپ کو تمام نعمتیں بہتر کر کے لوٹا دی گئیں۔

نیکی و دعوت کی راہ پر صبر

نیکی کی راہ اپنی ذات میں ایک مشکل راہ ہے۔اس سے آگے بڑھ کر انسان دوسروں کو نیکی کی طرف بلانا شروع کر دے تو یہ مزید ہمت طلب کام ہے۔ انسان یہ کام کر بھی لے تو وہ توقع کرتا ہے کہ دوسرے اس کی حوصلہ افزائی کریں گے۔ اس کی درمندی کو محسوس کریں گے۔مگر اس راہ کا معاملہ یہ ہے کہ یہ کانٹوں بھری راہ ہے۔تعریف تو درکنار یہاں اکثر تنقید سننے کو ملتی ہے۔

لیکن مومن اگر سچا مومن ہے تو اسے اس راہ میں گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ انبیا کا راستہ ہے۔حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اسی بات کی نصیحت کی تھی۔

وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ (لقمان31 :17)

''اور (اِس راہ میں) جو مصیبت تمھیں پہنچے، اُس پر صبر کرو۔''

قرآن میں جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی بدکلامی، ظلم و زیادتی اور ان کے منفی رویے پر صبر کی تلقین کی گئی ہے۔ایک مقام درج ذیل ہے۔

وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْراً جَمِيلاً،(المزمل73 :10)

''یہ جو کچھ کہتے ہیں، اُس پر صبر کرو، اِن سے نہایت بھلے طریقے سے صرف نظر کرو۔''

برائی کے جواب میں صبر

صبر کا ایک اور اہم موقع دوسروں کی برائی کے جواب میں اچھا رویہ اختیار کرنا ہے۔ دین میں گرچہ بدلہ لینے کا حق ہے، مگر عزیمت کا راستہ یہی ہے کہ دوسروں کی زیادتی کے جواب میں انھیں معاف کر دیا جائے۔

وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ،(شوریٰ42 :43)

''البتہ جو صبر کریں اور معاف کر دیں تو بے شک، یہی کام ہیں جن کی تاکید کی گئی ہے۔''

برائی کا جواب بھلائی سے دینے کا یہی وہ رویہ ہے جس کو بڑے نصیبے والوں کا مقام قرار دیا

گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسْتَوِیْ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۔ وَمَا یُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوا وَمَا یُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِیْمٍ ،(حم السجدہ 41 :35-34)

''حقیقت یہ ہے کہ بھلائی اور برائی، دونوں یکساں نہیں ہیں۔ تم برائی کے جواب میں وہ کرو جو اُس سے بہتر ہے تو دیکھو گے کہ وہی جس کے اور تمھارے درمیان عداوت ہے، وہ گویا ایک سرگرم دوست بن گیا ہے۔ اور (یاد رکھو کہ) یہ دانش انھیں کو ملتی ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں اور یہ حکمت اُنھی کو عطا کی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔''

حالت نعمت میں راہ راست پر رہنے کے لیے صبر

ایک آخری مقام اس حوالے سے وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ یہ بات بیان کرتے ہیں کہ نعمتوں کی حالت میں درست رویہ اختیار کرنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ انسان صبر کرے۔ یہ وہ چیز ہے جو عام حالات میں سوچی نہیں جاسکتی کہ اللہ تعالیٰ نعمتوں میں بھی صبر کی تلقین کریں گے۔ مگر صبر کا اصل مفہوم اگر واضح رہے تو یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ حق پر ثابت قدمی صرف برے حالات میں نہیں بلکہ اچھے حالات میں بھی مطلوب ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح یہ ضروری ہے کہ انسان نا مساعد حالات میں مایوسی اور ناشکرے پن سے بچے، اسی طرح یہ ضروری ہے کہ حالات اچھے ہوں تو انسان شیخی خورے پن اور اترانے سے باز رہے۔ اس بات کو سورہ ہود میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَا الإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَیَؤُوسٌ كَفُورٌ۔ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَیَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّیِّئَاتُ عَنِّیْ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ۔ إِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُواْ وَعَمِلُواْ الصَّالِحَاتِ أُوْلَئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِیْرٌ،(ہود 11 :11-9)

’’انسان کا معاملہ یہ ہے کہ ہم اُس کو اگر اپنے کسی فضل سے نوازیں، پھر اُس سے اُسے محروم کر دیں تو لازماً شکایت کرے گا، اِس لیے کہ وہ جلد مایوس ہو جانے والا اور نہایت ناشکرا ہے۔اور اگر کسی تکلیف کے بعد جو اُس کو پہنچی ہو، ہم اسے نعمت کا مزہ چکھائیں تو ضرور کہے گا کہ میری سب مصیبتیں مجھ سے دور ہوئیں (اور پھولا نہیں سمائے گا)، اس لیے کہ وہ بڑا اترانے والا اور شیخی بگھارنے والا ہے۔اس سے وہی مستثنیٰ ہیں جو صبر کرتے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔انھی کے لیے مغفرت بھی ہے اور بڑا اجر بھی۔‘‘

خلاصہ گفتگو

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صبر اچھے برے ہر طرح کے حالات میں حق پر قائم رہنے کا نام ہے۔زندگی کے سرد و گرم میں حق کے بارے میں نہ انسان کا نظریہ بدلے نہ اس کا رویہ بدلے۔حق پر یہ ثابت قدمی جس طرح مصائب میں مطلوب ہے، اسی طرح لوگوں کے برے رویے، دعوت حق اور نعمت کے حال میں بھی مطلوب ہے۔جو لوگ اس حق پر اس طرح ثابت قدم رہتے ہیں انھیں دنیا میں غلبہ و تحفظ ملتا ہے، وہ نصرت الٰہی کے حقدار ہوتے ہیں، انھیں دشمنوں کی سازشوں سے بچایا جاتا ہے اور طاقتور دشمنوں کے مقابلے میں بھی ان کو فتح یاب کیا جاتا ہے۔جبکہ آخرت میں یہی وہ لوگ ہیں جو جنت کی ابدی کامیابی اور اس کی نعمتیں حاصل کریں گے۔

اگر ہم نے انفرادی طور پر آخرت کی فلاح حاصل کرنی ہے اور اجتماعی طور پر دنیا میں اپنا غلبہ قائم کرنا ہے تو ہمیں صبر کی بنیاد پر اپنی قوم کی تربیت کی اشد ضرورت ہے۔اس ادنیٰ طالب علم کی یہ تحریر اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ فکری اور عملی تربیت کے اس سلسلے کو عام کر دے۔آمین۔

جہاں رہیے اللہ کے بندوں کے لیے باعث رحمت بن کر رہیں، باعث آزار نہ بنیں۔

ڈاکٹرشہزادسلیم/محمودمرزا

ایک سنہری اصول

صدیوں سے پیغمبر، مصلحین اور اولیاءہمیں یہ سنہری اصول سکھاتے آئے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جیسا اپنے لیے چاہتے ہو۔ بظاہر یہ الفاظ بہت سادہ ہیں لیکن ان پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا ہونا اتنا ہی مشکل ہے۔ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ان الفاظ پر مستقل طور پر عمل کیا جائے تاکہ یہ سنہری اصول ہماری فطرت اور شخصیت کا حصہ بن جائے اور ہمارا باطن اس کی روشنی سے منوّر رہو جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان سادہ الفاظ کے اندر دورس مثبت نتائج پوشیدہ ہیں۔

☆ اگر ہم اپنے لیے تکلیف کو پسند نہیں کرتے تو ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ دوسروں کو بھی ہماری ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

☆ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ناانصافی نہ ہوتو پھر ہمیں دوسروں کی حق تلفی سے بھی بچنا ہوگا۔

☆ ہم چاہتے ہیں کہ مشکل وقت میں ہماری مدد کی جائے تو ہمیں بھی دوسروں کی مدد کرنا ہوگی۔

☆ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری غلطیوں پر ہمیں معاف کیا جائے تو پھر ہمیں چاہیے کہ لوگوں کی غلطیوں کو درگزر کریں۔

☆ اگر جنت میں داخل ہونا ہماری خواہش ہے تو پھر ہمیں چاہیے کہ دوسروں کے لیے بھی اسی امید اور خواہش کے ساتھ یہ دعا کریں کہ وہ بھی اس مقصد میں کامیاب ہوں۔

تاہم اس سنہری اصول پر عمل کر کے ہم نہ صرف اپنی بلکہ اپنے گردوپیش میں موجود تمام لوگوں کی دنیا و آخرت سنوارنے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ آیئے آج ہی سے اس سنہری اصول کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیں۔

جاوید چوہدری

ڈپریشن

یہ آج سے چھ سال پرانی بات ہے، میں ایک درمیانے سائز کی کمپنی چلا رہا تھا۔ ہم لوگ امریکی کمپنیوں کو آئی ٹی سلوشن دیتے تھے۔ ہمارے سلوشن دس پندرہ ڈالر مالیت کے ہوتے تھے لیکن ہمارے گاہکوں کی تعداد زیادہ تھی۔ چنانچہ دس پندرہ ڈالر ایک دوسرے کے ساتھ ضرب کھا کر بڑی رقم بن جاتے تھے۔ ہمارے کام کے ساتھ تین ساڑھے تین سو لوگ وابستہ تھے۔

یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ کر کام کرتے تھے۔ ہم ان کا کام پول کرتے تھے اور اس کی نوک پلک سنوار کر اسے انٹرنیشنل اسٹینڈرڈ کے مطابق بنا کر کمپنیوں کو بھجوا دیتے تھے۔ ہماری زندگی ہموار اور رواں چل رہی تھی مگر پھر اچانک صدر اوباما نے پالیسیاں تبدیل کرنا شروع کر دیں۔ یورپ اور امریکا میں پاکستان کا امیج بھی مزید خراب ہو گیا۔ لہٰذا کمپنیوں کو جوں ہی پتا چلتا تھا کہ ہم پاکستانی کمپنی ہیں وہ ہم سے رابطہ منقطع کر دیتی تھیں۔

یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے وہاں پہنچ گیا جہاں ہمارا بزنس تیزی سے نیچے آنے لگا ہمارے بینک اکاؤنٹ خالی ہو گئے، لوگ فارغ بیٹھ گئے اور ہم پریشانی سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ میرا صرف ایک سورس آف انکم رہ گیا اور وہ تھا صحافت۔ میں ان دنوں شدید ڈپریشن سے گزر رہا تھا۔

میں ڈپریشن میں ہمیشہ عجیب وغریب حرکتیں شروع کر دیتا ہوں، میں پیدل چل پڑتا ہوں اور چلتے چلتے بعض اوقات کسی اجنبی گاؤں یا دوسرے شہر پہنچ جاتا ہوں یا میں ائیر پورٹ جاتا ہوں اور مجھے جہاں کی فلائیٹ مل جائے میں اس میں چڑھ جاتا ہوں یا میں ٹرین میں سوار ہو جاتا ہوں یا کسی لوکل بس میں داخل ہو کر سارا دن اس میں گزار دیتا ہوں یا پھر انتہائی پرانی تھکڑ ٹیکسی میں گھس جاتا ہوں اور اسے کہتا ہوں تم بس چلتے رہو اور جہاں دل چاہتا ہے اتر کر چل پڑتا ہوں۔ ڈپریشن دور کرنے کا یہ طریقہ میں نے خود ایجاد کیا اور یہ کم از کم میرے سلسلے میں بہت کارگر ثابت ہوتا

ہے، میں نے اس دن بھی یہی کیا۔ میں گھر سے نکلا، چوک میں گیا اور انتہائی کھٹارا ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔

یہ 1987ء کی ایف ایکس گاڑی تھی اس کا کوئی پرزہ ٹھیک کام نہیں کر رہا تھا۔ گاڑی آگے چلنے کے ساتھ ساتھ پھڑک کر دائیں بائیں بھی چل پڑتی تھی۔ ڈرائیور گاڑی سے بھی زیادہ بیمار اور بوڑھا تھا۔ میں نے اس ٹیکسی میں بمشکل ہزار میٹر سفر کیا اور میرا ڈپریشن خوف میں تبدیل ہو گیا۔ میں ڈر گیا اور میں ڈرائیور سے ٹیکسی روکنے کے لیے منتیں کرنے لگا۔ ڈرائیور نے بڑی مشکل سے بریک لگائی۔ میں نیچے اترا، جیب میں ہاتھ ڈالا، پانچ سو روپے کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کو دیا اور فٹ پاتھ پر پیدل چلنے لگا۔

میں نے تھوڑی دیر بعد محسوس کیا کوئی میرے پیچھے دوڑ رہا ہے۔ میں نے خوف زدہ ہو کر مڑ کر دیکھا، ٹیکسی کا ڈرائیور میرے پیچھے سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ میں رک گیا۔ وہ بیمار اور بوڑھا تھا، وہ بڑی مشکل سے میرے قریب پہنچا، لمبے لمبے سانس لینے لگا اور جب سانس بحال ہو گیا تو اس نے گلوگیر آواز میں کہا، سر میں آپ کے ہاتھ چومنا چاہتا ہوں۔ مجھے میری نام نہاد کامیابی نے اس لیول تک پہنچا دیا ہے جہاں میرے جیسے چھوٹے لوگ خود کو مقدس سمجھنے لگتے ہیں اور ہر شخص سے توقع کرتے ہیں یہ بھی میرا فین ہو گا۔

میں نے اس ٹیکسی ڈرائیور کو بھی اپنا فین سمجھا اور متکبر لہجے میں کہا، نہیں نہیں، بابا جی کوئی بات نہیں، میں بھی آپ جیسا انسان ہوں۔ ڈرائیور نے میری بات پر توجہ دیے بغیر کہا، سر! مجھے چار دن سے کوئی سواری نہیں ملی تھی، میرے گھر میں دو دن سے فاقہ چل رہا تھا، صاحب! آپ فرشتہ بن کر آئے اور مجھے پانچ سو روپے دے دیے، میں اب آٹا اور دال لے کر سیدھا گھر جاؤں گا اور اپنی بیوہ بیٹی اور نواسے نواسوں کو کھانا کھلاؤں گا لیکن میں گھر جانے سے پہلے اپنے محسن کے ہاتھ ضرور چوموں گا۔ وہ یہ کہہ کر میرے ہاتھ کی طرف لپکا اور میرا ہاتھ اپنے گندے اور کھردرے ہاتھوں میں لے لیا اور میں سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

مجھے اس وقت محسوس ہوا، میرا تازہ تازہ بزنس فلاپ ہوا ہے، میں کریش کر رہا ہوں لیکن میں اس کے باوجود اس شخص کی نظروں میں دنیا کا امیر ترین شخص ہوں، میں اس شخص کی نظروں میں صرف پانچ سو روپے کی وجہ سے ان داتا ہوں، فٹ پاتھ پر اس وقت دو لوگ کھڑے تھے میں اور وہ ڈرائیور۔ میں خود کو ناکام، ڈاؤن اور لوزر سمجھ رہا تھا جب کہ میں ڈرائیور کی نظروں میں دنیا کا امیر اور سخی ترین شخص تھا۔ میں نے فوراً ڈرائیور کا ہاتھ پکڑا اور اس کا رخ موڑا، اسے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود اس کی جگہ کھڑا ہو گیا اور پھر وہ لمحہ آ گیا جس نے مجھے دنیا کی چوتھی سچائی سمجھا دی اور وہ چوتھی سچائی تھی ہم ناکام ہونے، بدحال ہونے اور کریش ہونے کے بعد بھی جہاں پہنچ جاتے ہیں وہ جگہ لاکھوں کروڑوں بلکہ اربوں لوگوں کی زندگی کا سب سے بڑا خواب ہوتی ہے۔

لوگ نسلوں کی محنت کے بعد بھی اس جگہ تک نہیں پہنچ پاتے جہاں ہم اونچائی سے گرنے کے بعد ناکام ہونے کے بعد ٹک جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اس وقت بھی کروڑوں لوگ صرف پانچ سو روپے کے لیے سارا دن فٹ پاتھ پر گزار دیتے ہیں۔ ہمیں جس دن پانی کی بوتل نہیں ملتی اور ہم نلکے کا پانی پینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، نلکے کا وہ پانی کروڑوں لوگوں کی زندگی کا سب سے بڑا خواب ہوتا ہے۔ ہم آدھا برگر اپنی پلیٹ میں چھوڑ کر گھر آ جاتے ہیں، لاکھوں لوگ برگر کے اس ٹکڑے کے لیے پوری زندگی آسمان کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ ہم ریستوران میں ٹرائی کرنے کے لیے چار ڈشیں منگوا لیتے ہیں، پسند نہیں آتیں تو چھوڑ دیتے ہیں۔

دنیا میں اس وقت بھی ایسے کروڑوں لوگ موجود ہیں جو ایسے کھانوں کی صرف خوشبو سونگھنے کے لیے کچرا گھروں کا کچرا ادھیڑتے رہتے ہیں۔ ہم چائے کی جگہ کافی پیتے ہیں لیکن ہمارے دائیں بائیں ایسے لاکھوں لوگ موجود ہیں جن کی نظر میں چائے دنیا کی سب سے بڑی عیاشی ہے۔ ہم رات سوتے وقت گندے مندے کپڑے پہنتے ہیں، ہمارے چار چار سال پرانے سلیپر ہماری ٹوٹی ہوئی پلیٹس، ہماری پھٹی ہوئی کتابیں، خراب کاپیاں اور ہمارے بچوں کے ناکارہ کھلونے، یہ بھی اربوں لوگوں کی زندگی کا سب سے بڑا خواب ہوتے ہیں۔ لوگ آٹے کے ایک

تھیلے، گھی کے ایک ڈبے اور سر کے ایک دوپٹے کے لیے سارا سارا دن لوگوں کی دہلیزوں پر بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کپڑے خود خرید سکیں، یہ جیب سے پیسے نکالیں اور دکان سے جو چاہیں خرید لیں، یہ مسرت ان کی زندگی کا سب سے بڑا خواب ہوتی ہے، یہ اس سطح تک پہنچنے کے لیے گڑگڑا کر دعائیں کرتے رہتے ہیں۔

ہم میٹرک پاس ہیں، ہم بی اے میں تیسرے درجے میں پاس ہوئے اور ہم نے چار سال میں گھسٹ گھسٹ کر ایم اے کر لیا، ہمیں منتوں اور دعاؤں کے بعد کلرک کی نوکری ملی، ہمارے پاس صرف اسکوٹر یا صرف ٹوٹا ہوا سائیکل ہے، ہم ایف ایکس گاڑی چلا رہے ہیں اور ہم دو مرلے کے گھر میں رہتے ہیں لیکن ہم نے کبھی سوچا دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو تین تین نسلوں سے دو مرلے کے اس گھر کو ترس رہے ہیں۔ ممبئی اور کولکتہ میں آج بھی لاکھوں لوگ فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر پیدا ہوتے ہیں اور پوری زندگی ان فٹ پاتھوں پر گزار کر انھی فٹ پاتھوں پر مر جاتے ہیں اور میونسپلٹی کے سوپیر ان کی لاشیں کچرا گاڑیوں میں لاد کر لے جاتے ہیں۔

آپ اپنی ٹوٹی ہوئی سائیکل خیرات کرنے کا اعلان کر دیں آپ کے گھر کے سامنے دنگا ہو جائے گا، لوگ ٹوٹی سائیکل کے لیے ایک دوسرے کا سر کھول دیں گے، یہ ٹوٹی ہوئی سائیکل ان لوگوں کی زندگی کا بہت بڑا خواب ہے۔ آپ میٹرک کے بعد دائیں بائیں دیکھیں، آپ کو کروڑوں لوگ میٹرک کی سند سے محروم ملیں گے، یہ لوگ نسلوں سے ہائی اسکولوں کو حسرت سے دیکھ رہے ہیں لیکن یہ اسکول کی دہلیز کے اندر داخل نہیں ہو پا رہے۔ ہمارے ملک میں کروڑوں لوگ کلرک کی نوکری کے لیے اپنے جیسے لوگوں کے تلوے تک چاٹنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور آپ کو کروڑوں ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جو آپ کی پالتو بلی اور جرمن کتے کی خوراک کو حسرت سے دیکھیں گے۔

یہ نسلوں کے سفر کے باوجود اس خوراک تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ ہمارے ملک میں آج بھی ننانوے فیصد لوگ ہوائی سفر نہیں کر سکے، یہ ائیر پورٹ کے لاؤنج میں داخل نہیں ہوئے۔ ساٹھ

فیصد لوگ پوری زندگی کموڈ پر نہیں بیٹھے اور کافی کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے، ملک کے 80 فیصد لوگ یہ بھی نہیں جانتے۔ لاکھوں لوگ پیناڈول کی گولی، شوگر کی ٹیبلٹ اور بلڈ پریشر کی دوا کو ترستے ترستے مر جاتے ہیں۔ لوگ قصابوں کی دکانوں سے چھیچھڑے اکٹھے کر کے پکاتے ہیں، اوجھڑیاں ابال کر کھاتے ہیں، لوگوں کے اترے کپڑے پہنتے ہیں، پانچ پانچ سال لوگوں کے پرانے سلیپر گھسیٹتے ہیں اور حلوے، کیک اور رس ملائی کے ذائقے کو ترستے ترستے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

میں پانچ سال پہلے کاغذ کی ایک سائیڈ پر لکھا کرتا تھا۔ مجھ سے ایک دن میرے ایک ملازم نے کہا، آپ مجھے یہ کاغذ دے دیا کریں۔ میں نے پوچھا، کیوں؟ وہ بولا، سر! میں اپنی بیٹی کو دے دیا کروں گا، وہ کاغذ کی صاف سائیڈ پر ہوم ورک کر لیا کرے گی۔ میں نے اس کی بیٹی کی کاپیوں اور کتابوں کا خرچ اٹھا لیا اور کاغذ کی دو سائیڈوں پر لکھنا شروع کر دیا اور میں ریستوران میں پلیٹ میں کھانا نہیں چھوڑتا۔ پیک کراتا ہوں، چوکوں میں کھڑے بچوں کو دیتا ہوں۔ ہم نے کبھی سوچا، ہم زندگی میں جس ناکامی جس محرومی اور جس زوال کو زوال سمجھتے ہیں وہ زوال وہ محرومی اور وہ ناکامی کتنے لوگوں کی زندگی کا سب سے بڑا خواب ہوتی ہے، لوگ نسلیں خرچ کر کے بھی اس کھجور تک نہیں پہنچ پاتے جس میں ہم آسمان سے گر کر اٹک جاتے ہیں اور باقی زندگی شکووں میں گزار دیتے ہیں۔

وہ بوڑھا ڈرائیور میرے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے کھردرے ہاتھ پکڑ رکھے تھے اور زاروقطار رو رہا تھا اور وہ حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا، وہ حیران تھا میری جیب میں جب پانچ پانچ سو روپے کے نوٹ ہیں تو پھر میں کیوں رو رہا ہوں، میں کیسے دکھی ہو سکتا ہوں؟ میں اسے کیسے بتاتا، میں ناشکری کے مرض میں مبتلا ہوں اور ناشکری ایک ایسا کینسر ہے جس کا علاج بڑے سے بڑے ڈاکٹر کے پاس بھی موجود نہیں۔

ابویحییٰ

مضامین قرآن (65)

حقوق العباد: کمزور طبقات کے ساتھ حسن سلوک

قرآن مجید نے حقوق العباد کو قریبی تعلقات اور رشتوں تک محدود ہی نہیں رکھا بلکہ اس دائرے کو ان لوگوں تک بھی پھیلا دیا جو معاشرے کے ضعیف طبقات ہیں۔ اس میں قرآن مجید نے مزید یہ اہتمام کیا ہے کہ ان کے حقوق کی طرف الگ سے توجہ دلانے کے ساتھ ساتھ ان کا ذکر رشتہ داروں اور قریبی تعلقات کے ساتھ کیا ہے۔ اس طرح قرآن نے یہ واضح کیا ہے کہ ان ضعیف اور کمزور لوگوں کا حق وہی ہے جو والدین اور رشتہ داروں کا حق ہے۔ اور جس طرح والدین اور رشتہ داروں اور دیگر تعلقات میں تعلقات کی قربت وجہ احسان وانفاق بنتی ہے اسی طرح ان ضعفا کا ضعف ومحرومی اور ان کی بے بسی ہی ان کو انسان کے اچھے رویے کا مستحق بنا دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ قرآن مجید نے اجتماعی اموال کے خرچ کی مدات کو جہاں متعین کیا ہے وہاں بھی ان طبقات کا خصوصی ذکر کر کے یہ واضح کیا ہے کہ افراد کے ساتھ یہ ریاست کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ان ضعیف طبقات کا بوجھ اٹھائے۔

ذیل میں ان کمزور طبقات کی تفصیل قرآن مجید کی روشنی میں کی جارہی ہے۔

یتیم اور بیوائیں

معاشرے کے کمزور طبقات میں قرآن مجید عام طور پر یتیموں کا ذکر سب سے پہلے کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک یتیم بچہ کئی پہلوؤں سے محرومی سے گزرتا ہے۔ ایک یتیم بچے کو کوئی مالی تنگ دستی اور پریشانی نہ بھی ہو تب بھی صرف یہی محرومی اپنی جگہ بہت بڑی محرومی ہے کہ ایک

کمزور وناتواں بچے کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے۔اب کوئی نہیں جو اس کی انگلی پکڑ کر اسے اپنے ساتھ چلائے۔اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھے۔زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں میں اسے حوصلہ اور سہارا دے۔اس کے امور کی نگہداشت کرے۔زمانہ کی دست برد سے اس کا تحفظ کرے۔زندگی کے سرد و گرم میں اس کی رہنمائی کرے۔

اس کے برعکس ایسے یتیم کی عزت نفس لوگوں کی ڈانٹ پھٹکار کا پہلا نشانہ بنتی ہے۔اس کا مال بدنیت لوگوں کا آسان ہدف ہوتا ہے۔اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باپ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھنے کے بعد یتیم ہر اعتبار سے ایک بوجھ بن جاتا ہے۔اس کی ذمہ داری لوگوں کو ایک بھاری پتھر محسوس ہوتی ہے۔اس پر مال خرچ کرنا ایک کار لاحاصل اور اس کے معاملات کی نگہداشت ایک مصیبت محسوس ہوتی ہے۔ان سب کے ساتھ قدیم پدرسری معاشرے کی وہ حقیقت پیش نظر رہے جس میں عورتوں کی اپنی کوئی حیثیت نہ تھی اور باپ ہی بچوں کے تحفظ اور ان کی ضروریات کی فراہمی کا اصل ذمہ دار تھا۔ایسے میں کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو اسے اپنے تحفظ کے لیے دوسری شادی کرنا پڑ جاتی۔جس کے بعد بچے یا تو دوسرے رشتہ داروں کے رحم و کرم پر رہ جاتے یا پھر سوتیلے باپ کے سائے تلے پروان چڑھتے۔

ایسے میں قرآن مجید نے یتیموں کے حقوق کو ضعیف طبقات میں سب سے مقدم رکھ کر ان کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے۔یتیم رشتہ دار ہو، اجنبی ہو، سرپرستی میں ہو یا نہیں ہو، ہر شکل میں ان کے حقوق کی طرف خصوصی توجہ دلائی گئی ہے۔ان سے حسن سلوک کا حکم ہے۔ان پر انفاق کرنے کی تعلیم ہے۔ان کے مال میں ناجائز تصرف پر جہنم کی انتہائی سخت وعید کی ہے۔ان سے بدسلوکی پر ہلاکت کی خبر دی گئی ہے۔مردوں کو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی وہ اجازت جو عام طور پر ہمارے ہاں مردوں کا شرعی حق سمجھی جاتی ہے، دراصل اسی پس منظر میں دی گئی ہے کہ معاشرے

میں یتیموں کے حقوق کے تحفظ کے لیے لوگ ان عورتوں سے شادیاں کرلیں جن کے معصوم بچے ہوں۔اس طرح بیوہ عورتوں کو بھی سہارا دینے کا انتظام کیا گیا اوران کی سرپرستی کا بھی بندوبست کیا گیا۔لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایسی خواتین اوران کے بچوں کے حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔

فقراء،مساکین اورسائلین

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اپنی جس حکمت بالغہ کے تحت بنائی ہے اس میں خدائی میزان عدل میں ہر شخص کو یکساں نہیں رکھا گیا ہے۔یہ فرق جہاں اور پہلوؤں سے پایا جاتا ہے وہیں مالی طور پر بھی لوگوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔کچھ لوگوں کے پاس دولت کے انبار ہوتے ہیں۔کچھ لوگ خوشحال اور کھاتے پیتے ہیں۔کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنی ضروریات پوری کرنے سے بھی خود کو عاجز پاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو نان شبینہ کے بھی محتاج ہوتے ہیں۔ان مالی طور پر کمزوراور محروم لوگوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو تنگ دستی سے مجبور ہوکر ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوجاتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی عزت نفس یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔

چنانچہ اس پس منظر میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار باراور مختلف پیرائے میں لوگوں کو ابھارا ہے کہ وہ اپنا مال ایسے محروم، مسکین، فقیراور محتاج لوگوں پر خرچ کریں۔اس راہ میں خرچ کرنے پرلوگوں کو ابھارنے کے لیے یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ جو خرچ کریں گے وہ سات سو گنا تک ان کو بڑھا کرلوٹایا جائے گا۔اس انفاق میں زکوٰۃ کی لازمی مد بھی شامل ہے اور وہ نفلی انفاق بھی ہے جو انسان اللہ کی رضا کے لیے اضافی طور پر کرتا ہے۔اسی طرح قرآن مجید نے ان لوگوں کی شدید مذمت بھی کی ہے جو نہ صرف خود بخل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی انفاق سے روکتے

ہیں۔اپنی بخالت کے لیے بے ہودہ عذر تراشتے ہیں۔ یہاں تک کہ کھانے کھلانے جیسی بنیادی انسانی ضرورت کو بھی پورا نہیں کرتے۔

چنانچہ مالی طور پر محروم اور ضرورت مند فقیر، مسکین اور محتاج لوگ چاہے مانگیں یا نہ مانگیں یہ ان کا حق ہے کہ ان پر اہل ثروت اپنا مال خرچ کریں۔

مسافروں کی مد

کمزور اور ضعیف طبقات کی فہرست جن پر انفاق کا حکم قرآن مجید دیتا ہے، ان میں مسافر کی مد ایسی ہے جو شاید کسی انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتی۔حتیٰ کہ ہمارے اہل علم قرآن میں بیان کردہ اس مد کو جب بیان کرتے ہیں تو عام طور پر اس پر یہ شرط بڑھا دیتے ہیں کہ مالدار مسافر اگر محتاج ہو جائے تب وہ اس مد کے تحت آتا ہے۔جبکہ عقل عام یہ واضح کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص محتاج ہو جاتا ہے تو وہ مسکین کی مد کے تحت پہلے ہی مدد کا مستحق ہو جاتا ہے۔مسافر کے عنوان سے اسے بیان کرنا اور بار بار بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسافر اپنی مالی حیثیت کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنی نفسیات کے لحاظ سے ایک ضرورت مند شخص ہوتا ہے۔گھر سے نکلنے اور وطن سے دوری کے بعد انسان نفسیاتی طور پر دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔اس کے پاس کھانے پینے، سفر کرنے اور رہائش کے پیسے ہوتے ہیں، لیکن اس کی نفسیات میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ اسے احتیاط سے خرچ کرنا ہے۔اس کے وسائل محدود ہیں۔ وہ مستقل طور پر عدم تحفظ کا شکار رہتا ہے۔ایسے میں قرآن نے مسافروں پر خرچ کا حکم دے کر دراصل کمزور لوگوں کے ایک گروہ کے تحفظ کا اہتمام کیا ہے۔اس نے لوگوں کو یہ تلقین کی ہے کہ وہ مسافروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں۔ان کی مدد کریں۔ان کی ضروریات پر خرچ کرنے کو اللہ کے حکم کی تعمیل سمجھیں۔ساتھ میں حکومت کو یہ ذمہ داری دی ہے کہ مسافروں

کے لیے باسہولت راستے، اچھی رہائش اوران کی دیگر ضروریات کا بندوبست کریں۔

ضعیف طبقات پرانفاق اورحسن سلوک کی حکمت

یتیم، مسکین، محروم اور مسافر پر خرچ کا حکم دے کر قرآن مجید نے نہ صرف ایک اخلاقی تقاضے کی طرف توجہ دلائی ہے بلکہ معاشرے میں اخوت، بھائی چارے اورانسانیت کے فروغ کی بنیاد بھی رکھ دی ہے۔ انسان والدین، رشتہ داروں اور دیگر قریبی تعلقات پر جب خرچ کرتا ہے تو لینے والا کسی نہ کسی پہلو سے اسے اپنا حق سمجھتا ہے۔ مگر جب ان ضعیف طبقات پر انفاق ہوتا ہے تو سوائے انسانیت کے کوئی دوسرا رشتہ سامنے نہیں ہوتا۔ ایسے میں لینے والا اپنے سامنے انسانیت کو زندہ دیکھتا ہے۔ پھر وہ خود بھی دینے والے، امراء اور صاحب حیثیت طبقات کا خیر خواہ بن کر زندگی گزارتا ہے۔

اس کے برعکس جس معاشرے میں ضعیف طبقات کے حقوق سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے وہاں نہ صرف انسانیت کی موت واقع ہوتی ہے بلکہ یتیم، مکسین اور محروم لوگ جرائم کا راستہ اختیار کر کے پیسے والے لوگوں کی زندگی اجیرن کر دیتے ہیں۔ یوں معاشرے میں فساد پھیلتا ہے اور جان، مال، آبرو کی امان اٹھ جاتی ہے۔

قرآنی بیانات

(یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ سے وفا کا حق مذہب کی کچھ رسمیں پوری کر دینے سے ادا ہو جاتا ہے۔ اِنھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ کے ساتھ وفا داری صرف یہ نہیں کہ تم نے (نماز میں) اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا، بلکہ وفا داری تو اُن کی وفا داری ہے جو پورے دل سے اللہ کو مانیں اور قیامت کے دن کو مانیں اور اللہ کے فرشتوں کو مانیں اور اُس کی کتابوں کو مانیں اور اُس کے نبیوں کو مانیں اور مال کی محبت کے باوجود اُسے قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں،

مسافروں اور مانگنے والوں پر اور لوگوں کی گردنیں چھڑانے میں خرچ کریں، اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔''، (البقرہ 177:2)

''اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ (جنگ ہوئی اور لوگ مارے گئے تو اُن کے) یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کہہ دو: جس میں اُن کی بہبود ہو، وہی بہتر ہے۔ اور اگر تم (اُن کی ماؤں سے نکاح کر کے) اُنھیں اپنے ساتھ شامل کر لو تو وہ تمھارے بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ کون بگاڑنے والا ہے اور کون اصلاح کرنے والا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو (اِس کی اجازت نہ دے کر) تمھیں مشقت میں ڈال دیتا۔ بے شک، اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔''، (البقرہ 220:2)

''اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرنے والوں کے اِس عمل کی مثال اُس دانے کی ہے جس سے سات بالیں نکلیں، اِس طرح کہ ہر بال میں سو دانے ہوں۔ اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جس کے لیے چاہتا ہے، اِسی طرح بڑھا دیتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑی وسعت والا ہے، وہ ہر چیز سے واقف ہے۔''، (البقرہ 261:2)

''یہ خاص کر اُن غریبوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، (اپنے کاروبار کے لیے) زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، اُن کی خودداری کے باعث ناواقف اُن کو غنی خیال کرتا ہے، اُن کے چہروں سے تم اُنھیں پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔ (اُن کی مدد کرو) اور (سمجھ لو کہ اِس مقصد کے لیے) جو مال بھی تم خرچ کرو گے، اُس کا صلہ تمھیں لازماً ملے گا، اِس لیے کہ اللہ اُسے خوب جانتا ہے۔''، (البقرہ 273:2)

''اور یاد کرو، جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین کے ساتھ اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرو گے۔ اور عہد لیا کہ لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز کا اہتمام کرو اور زکوٰۃ ادا

کرو۔‘‘،(البقرہ2:83)

’’(اللہ سے ڈرو)اور یتیموں کے مال اُن کے حوالے کر دو اور اُن کے لیے اُن کے اچھے مال کو اپنے برے مال سے نہ بدلو اور نہ اُن کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھاؤ، اِس لیے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اور اگر اندیشہ ہو کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اُن کے ساتھ جو عورتیں ہیں، اُن میں سے جو تمھارے لیے موزوں ہوں، اُن میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو۔ پھر اگر ڈر ہو کہ (اُن کے درمیان) انصاف نہ کر سکو گے تو (اِس طرح کی صورت حال میں بھی) ایک ہی بیوی رکھو یا پھر لونڈیاں جو تمھارے قبضے میں ہوں۔ یہ اِس کے زیادہ قریب ہے کہ تم بے انصافی سے بچے رہو۔‘‘،(النساء4:3-2)

’’(وراثت کی) تقسیم کے موقع پر جب قریبی اعزہ اور یتیم اور مسکین وہاں آ جائیں تو اُس میں سے اُن کو بھی کچھ دے دو اور اُن سے بھلائی کی بات کرو۔ اُن لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو اگر اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑتے تو اُن کے بارے میں اُنھیں بہت کچھ اندیشے ہوتے۔ سو چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور (ہر معاملے میں) سیدھی بات کریں۔ (سنو، خبردار رہو)، یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔‘‘،(النساء4:10-8)

’’اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھیراؤ، والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور ہم نشینوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اِسی طرح مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ جو تمھارے قبضے میں ہوں۔ اللہ اُن لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اتراتے اور اپنی بڑائی پر فخر کرتے ہیں۔ جو خود بھی بخل کرتے اور دوسروں کو بھی اِسی کا مشورہ دیتے ہیں اور اللہ نے

اپنے فضل میں سے جو کچھ اُنھیں دیا ہے، اُسے چھپاتے ہیں۔ ایسے ناشکروں کے لیے ہم نے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''، (النساء 4: 37-36)

''وہ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ اُن سے کہہ دو کہ اللہ تمھیں اُن کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جن عورتوں کے حقوق تم ادا نہیں کرنا چاہتے، مگر اُن سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اُن کے یتیموں سے متعلق جو ہدایات اِس کتاب میں تمھیں دی جا رہی ہیں، اُن کے بارے میں اور (دوسرے) بے سہارا بچوں کے بارے میں بھی فتویٰ دیتا ہے کہ عورتوں کے حقوق ہر حال میں ادا کرو اور یتیموں کے ساتھ ہر حال میں انصاف پر قائم رہو اور (یاد رکھو کہ اِس کے علاوہ بھی) جو بھلائی تم کرو گے، اُس کا صلہ لازماً پاؤ گے، اِس لیے کہ وہ اللہ کے علم میں رہے گی۔'' (النساء 4:127)

''اور یہ کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے لیے) بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ سن رشد کو پہنچ جائے۔''، (الانعام 6:152)

''(تم نے پوچھا تھا تو) جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے حاصل کیا تھا، اُس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے، اُس کے پیغمبر کے لیے، (پیغمبر کے) اقربا اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے خاص رہے گا۔''، (الانفال 8:41)

''(اِنھیں بتا دو کہ) صدقات تو درحقیقت فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور اُن کے لیے جو اُن کے نظم پر مامور ہوں، اور اُن کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہے۔ نیز اِس لیے کہ گردنوں کے چھڑانے میں اور تاوان زدوں کے سنبھالنے میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی بہبود کے لیے خرچ کیے جائیں۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔''، (التوبہ 9:60)

''تم قرابت دار کو اُس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور مال کو بے جا نہ اڑاؤ۔''، (بنی

اسرائیل 26:17)

''اور جب اِن سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق خدا نے تمھیں بخشا ہے، اُس میں سے (اُس کی راہ میں) خرچ کرو تو یہ لوگ جنھوں نے (پیغمبر کا) انکار کر دیا ہے، ماننے والوں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم اُن لوگوں کو کھلائیں جنھیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟ تم لوگ تو صریح گمراہی میں پڑے ہو۔''،(یسین 47:36)

''(اِس لیے) اِن بستیوں کے لوگوں سے اللہ جو کچھ اپنے رسول کی طرف پلٹائے، وہ اللہ اور رسول اور قرابت مندوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے خاص رہے گا تا کہ وہ تمھارے دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے۔''،(الحشر 7:59)

''جن کے مالوں میں سائل و محروم کے لیے ایک مقرر حق ہے''،(المعارج 24-25:70)

''تم نے دیکھا اُس شخص کو جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے کے لیے نہیں ابھارتا۔''،(الماعون 1-3:107)

''مگر وہ گھاٹی پر نہیں چڑھا۔ اور تم کیا سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ یہی کہ گردن چھڑائی جائے یا بھوک کے دن یا کسی خاک آلود مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔''،(البلد 11-16:90)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا مال بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین مال اللہ کو یاد کرنے والی زبان شکر کرنے والا دل اور مومن بیوی ہے جو اسے اس کے ایمان میں مدد دے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1037)

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (69)

پچاس برس میں اب فرق یہ پڑا تھا کہ اس پراسرار مقام کے اوپر جھونپڑی کی بجائے ایک شاندار عمارت تعمیر کر دی گئی تھی۔ ٹکٹ اب پندرہ لیرا کا تھا۔ نیچے ہر ستون کے ساتھ خوبصورت لائٹیں لگا دی گئی تھیں۔ میری تحقیق کے مطابق یہ آبی محل نہیں تھا بلکہ اس جگہ کو بادشاہ کے محل کے لئے پانی کی ٹنکی کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ بارش کے پانی کو یہاں اکٹھا کر کے پھر انسانوں یا جانوروں پر لاد کر اسے محل میں لایا جاتا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ گرمی لگنے پر بادشاہ سلامت بھی یہاں انجوائے کرنے آ جاتے ہوں۔ بہرحال یہ جو کچھ بھی تھا، خوب تھا۔

پانی میں رنگ برنگی مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ یہاں کے ماحول میں عجیب وحشت سی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم کسی بھوت بنگلے میں آ گھسے ہیں۔ سیاحوں کی کثرت کے باعث یہ وحشت بہرحال ایسی نہ تھی کہ انسان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلے۔ پورے ہال میں لکڑی کا پل بنا ہوا تھا جس پر سے گزر کر لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا رہے تھے۔ ایک مقام پر عجیب و غریب ستون بنے ہوئے تھے۔ ان ستونوں پر عجیب قسم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ انہیں ''میڈوسا'' کے ستون کہا جاتا ہے۔

یونانی دیومالا میں میڈوسا ایک بھتنی کا نام ہے۔ یہاں کے ستونوں پر میڈوسا کی تصاویر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ بادشاہ کانسٹنٹائن نے عیسائیت قبول کر لی تھی مگر یونانی مشرکانہ مذہب کے اثرات اس پر یا اس کے عملے کے ذہنوں پر ابھی باقی تھے۔ یہی معاملہ مسلمانوں کے ساتھ ہوا۔ افریقہ، ایران، وسط ایشیا، ترکی اور ہندوستان میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول تو کر لیا مگر ان کے ذہنوں پر ان کے قدیم مشرکانہ مذاہب کے اثرات باقی رہے۔ یہی اثرات اگلی نسلوں کو بھی منتقل ہوئے۔ برصغیر کے مسلمانوں میں جو توہم پرستی پائی جاتی ہے، یہ اسی کی باقیات میں سے ہے۔

اب ایک بجنے میں پندرہ منٹ تھے۔ہم نے مناسب یہی محسوس کیا کہ واپس مسجد چلا جائے تاکہ جمعہ کی نماز میں بروقت شامل ہوا جا سکے۔تھوڑی دیر میں ہم وہاں جا پہنچے۔مسجد کے بیرونی صحن میں وضوخانہ بنا ہوا تھا۔ترکی میں بالعموم رواج یہ تھا کہ مسجد کے ٹائلٹ پر رقم ادا کرنا پڑتی ہے مگر وضوخانہ بالکل فری ہوتا ہے۔ اپنے قدیم اسٹائل سے ایسا لگ رہا تھا کہ اس وضوخانے کو بھی سلطان صاحب نے مسجد کے ساتھ ہی تعمیر کروایا ہو گا۔سنگ مرمر کی ٹائلوں کے بیچ میں سے ٹونٹیاں نکلی ہوئی تھیں جن میں سے ہلکا ہلکا پانی آ رہا تھا۔

مسجد مکمل طور پر بھر چکی تھی۔ مجھے بمشکل برآمدے میں جگہ مل سکی۔ٹھیک ایک بجے اذان ہوئی۔اس کے بعد امام صاحب نے عربی اور ترکی زبان میں خطبہ شروع کیا۔آج کے خطبے کا موضوع ''غیبت، بدگمانی اور تجسس'' تھا۔ یہ وہ گناہ ہیں جو ہمارے معاشرے میں پورے زور و شور سے پھیلے ہوئے ہیں مگر انہیں گناہ سمجھا ہی نہیں جاتا۔ ہر شخص دوسرے کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا ہے۔کسی کے عمل کو مثبت انداز میں لینے کی بجائے ہمارے ہاں منفی سوچ عام ہے۔ جب تک یہ ذہن کے اندر رہتی ہے، یہ بدگمانی کہلاتی ہے۔انسان جب دوسروں کے بارے میں منفی رویہ اختیار کرتا ہے تو اس کے بعد اگلا مرحلہ تجسس کا ہوتا ہے۔دوسروں کی عیب جوئی کے لئے ان کی ٹوہ لی جاتی ہے۔اس کے بعد ان عیوب کو غیبت کی صورت میں اچھالا جاتا ہے۔ یہ تینوں گناہ وہ ہیں جن میں ہم مذہبی لوگ سب سے زیادہ مبتلا ہیں۔امام صاحب نے سورہ حجرات کے حوالے سے بتایا کہ قرآن مجید میں بدگمانی سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے:

''اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو۔ بہت سے گمان تو گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کیا کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔تم اس سے کراہت کھاتے ہو۔اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔''،(الحجرات 12:49)

ہمارے ہاں مساجد میں جمعہ کے خطبے زیادہ تر فرقہ وارانہ مسائل اور حکومت پر تنقید کی نظر ہو جاتے ہیں۔اگر ان خطبات کو لوگوں کی اخلاقی اصلاح کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کے نتائج

بہت جلد سامنے آ سکتے ہیں۔ سال کے باون جمعوں میں اگر باون اخلاقی برائیوں یا اچھائیوں کے بارے میں گفتگو کی جائے تو ہم اپنی شخصیت کی تعمیر کر سکتے ہیں۔

اذان کی دعوتی اہمیت

امام صاحب کی قرأت بہت دلکش تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر ہم باہر نکلے تو مغربی سیاح مسجد سے نکلنے والوں کی دھڑا دھڑ تصاویر لے رہے تھے۔ بعض لوگ باقاعدہ فلم بنا رہے تھے۔ ان کے لئے یہ شاید نئی چیز ہو گی اور انہوں نے اپنے سفر ناموں میں اسے بیان کرنا ہو گا۔ اذان اور نماز کی یہ صورت غیر مسلموں کو عمل کے ذریعے اسلام کی دعوت پیش کرتی ہے۔ یہ لوگ اس سے کس حد تک متاثر ہوتے ہیں، اس کا اندازہ ایک مغربی مصنفہ کرسٹینا برزوسٹوسکی کے اس بیان سے ہوتا ہے۔

''نماز کے لئے دی جانے والی ماورائی اذان کی آواز سے زیادہ کوئی چیز دل ہلا دینے والی نہیں ہے۔ نیلی مسجد کا لاؤڈ اسپیکر کھٹکھٹاتا ہے اور اس کے بعد "اللہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ ہ" کی آواز نکلتی ہے۔ اس نغمے کی گونج پورے علاقے میں پھیل جاتی ہے جس سے پوری کی پوری فضا بھر جاتی ہے۔ ابھی یہ صدا ختم نہیں ہوتی کہ دوسرا مینار جاگ اٹھتا ہے اور (دوسری پکار کے ساتھ) اس پہلی صدا کا جواب دینے لگتا ہے۔ خاموشی کے چھوٹے سے وقفے کے بعد نیلی مسجد کی اذان دوبارہ شروع ہو جاتی ہے۔ اذان کا یہ نغمہ خاموشی کے وقفوں کے ساتھ جاری رہتا ہے اور اس سے اعلیٰ درجے کی موسیقی تخلیق ہوتی ہے۔ چند منٹ تک اذان جاری رہنے کے بعد یہ ختم ہوتی ہے۔ یہ پورا نغمہ استنبول کی ٹریفک کے شور کے درمیان بھی سنا جا سکتا ہے۔''

کیا ہی اچھا ہو کہ مسلم ممالک کا سفر کرنے والے ان سیاحوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متعلق کتابچے فراہم کیے جائیں تاکہ ان تک دین کا پیغام پہنچے۔ اس کے بعد یہی لوگ اپنی سفری داستانوں کے ذریعے اس پیغام کو اپنی باقی قوم تک پہنچا سکتے ہیں۔

ہمارے ہاں دعوت دین کی اس ذمہ داری سے غفلت کا سبب یہ ہے کہ ہم نے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی بجائے اپنے لئے دلچسپی کے کچھ اور ہی میدان ڈھونڈ لیے ہیں۔ اہل مغرب کے

بعض شریر حکمرانوں کے فساد کی وجہ سے ہمارے لوگ پوری غیر مسلم دنیا سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ اگر ہم اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے تو چند فسادیوں کی وجہ سے عام انسانوں کی اتنی بڑی تعداد کو اللہ کے دین کی دعوت سے محروم نہ رکھتے۔ عین ممکن ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالی اس بات کا حساب ہم سے طلب کرے کہ ہم نے اس کے دین کی دعوت کے بارے میں اس قدر غفلت کا مظاہرہ کیوں کیا۔

عیسائیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ہاں یہ کمی بھی پائی جاتی ہے کہ انہوں نے دوسری قوموں تک اپنی دعوت پہنچانے کے لئے ادارے اس درجے میں قائم نہیں کیے۔ ہمارے دینی مدارس میں اسلام کے نہیں بلکہ مخصوص فرقوں کے مبلغ تیار ہوتے ہیں۔ ہماری دعوتی و اصلاحی تحریکوں میں سے شاید ہی کوئی ایسی ہو جس نے غیر مسلموں تک دعوت دین پہنچانے کو اپنا ہدف بنایا ہو۔ البتہ مغربی ممالک میں بعض لوگ انفرادی یا اجتماعی سطح پر اس مقصد کے لئے کام کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائیوں کے ہاتھ بہت ہی منظّم دعوتی ادارے موجود ہیں۔ ان کے ہاں ہر علاقے کے مخصوص سماجی ماحول کو مدنظر رکھتے ہوئے مبلغ تیار کیے جاتے ہیں۔ افریقہ و ہندوستان کے قبائلی علاقوں کے لئے ''ورلڈ ٹرائبل مشن'' الگ سے کام کر رہا ہے۔

ہمارے ہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ دعوت دین کے لئے باقاعدہ مستقل ادارے بنائے جائیں۔ دینی مدارس کے تعلیم میں دعوت دین کو ایک سبجیکٹ کی صورت میں پڑھایا جائے۔ جو لوگ دعوت دین کو بطور فل ٹائم یا پارٹ ٹائم مشغلے کے طور پر اختیار کریں، ان کی کاؤنسلنگ کا اہتمام کیا جانا چاہیے۔ میرا ارادہ ہے کہ اپنی ویب سائٹ کے ذریعے دنیا بھر میں دعوت دین کا کام کرنے والوں کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ کاؤنسلنگ کا کچھ ذریعہ بناؤں تاکہ اس میدان میں اپنے تجربات ہم ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کر سکیں۔ جو قارئین اس کام میں دلچسپی رکھتے ہوں، وہ بذریعہ ای میل مجھ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔ اس معاملے میں میرا کتابچہ ''دور جدید میں دعوت دین کا طریق کار'' دین کی دعوت دینے والوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حناؔ

غزل

تھام کر دامنِ مصطفیٰ اے خدا، میں نے تیری ڈگر پر قدم رکھ دیا
آسماں کی طرف میری نظریں اٹھیں، سامنے اس نے لوح وقلم رکھ دیا
یوں تو سارا زمانہ ہی مصروف ہے، اپنے اپنے مفادات کی جنگ میں
بالمقابل زمانہ ہے اور سامنے، آپ کا میں نے نقشِ قدم رکھ دیا
آدمی کے تعاقب میں شیطان ہے، وہ تو آزاد رو ہے کہ انسان ہے
کہ برا اور بھلا دیکھ کر وہ چلے، راستے میں اگر پیچ وخم رکھ دیا
سچ کو سچ تم نہ مانو نہ مانو مگر، جھوٹ کو جھوٹ جانو نہ جانو مگر
دیکھنا ایک دن ایسا بھی آئے گا، نام حق نے ستم کا ستم رکھ دیا
جس کی عادت ہے نفرت وہ نفرت کرے، میری فطرت محبت ہے اور پیار ہے
گُل کی خو ہے مہکنا سو مہکے گا وہ، خوشبوؤں نے ہی گل کا بھرم رکھ دیا
وہ جو رشتے لہو کے تھے مٹنے لگے، دھوپ سے بدگمانی کی جلنے لگے
دِل کے ٹکڑے ہوئے تھے ہزاروں مگر، جوڑ کر ہم نے رشتہ بہم رکھ دیا
کوئی تاریکیوں میں جلائے دیئے، ایسا ممکن نہیں کہ اجالا نہ ہو
میری محنت سے جاگے ہیں خوشبو کے رنگ، رات نے رت جگوں کا بھرم رکھ دیا
زندگی سوز ہے، ساز ہے، راگ ہے، یہ ازل سے ابد تک کا اِک راز ہے
ہر نفس سن رہا ہے بڑے غور سے، وقت نے نغمۂ زیر و بم رکھ دیا
حق نے اعزاز بخشا ہے مجھ کو حناؔ، زیرِ سایہ رہوں اس گھنی چھاؤں کے
اس کی خدمت کروں مجھ کو جنّت ملے، یہ صلہ ماں کے زیرِ قدم رکھ دیا

ابویحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوایئے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

کراچی کے لیے 500، بیرون کراچی کے لیے 400 روپے کا منی آرڈر ہمارے پتے پر ارسال کیجیے...... یا
ایک پے آرڈر/بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ انذار" بینک الفلاح المحدود (صدر برانچ)
اکاؤنٹ نمبر 0171-1003-729378 کے نام بھجوایئے
رسالہ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے
2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوایئے
3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

ایجنسی لینے کا طریقہ کار:

ایجنسی کے لیے ہر ماہ کم از کم پانچ رسالے لینا ضروری ہے
ایجنسی کا ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے
ایجنسی لینے کے لیے اوپر دیئے گئے پتے پر رابطہ کیا جاسکتا ہے

Monthly
INZAAR

NOV 2019
Vol. 07, No. 11
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi

ابو یحییٰ کی دیگر کتابیں

”ملاقات“
اہم علمی، اصلاحی اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

”کھول آنکھ زمیں دیکھ“
مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

”جب زندگی شروع ہوگی“
ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

”بس یہی دل“
دل کو چھو لینے والے مضامین ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

”قسم اُس وقت کی“
ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ”جب زندگی شروع ہوگی“ کا دوسرا حصہ

”تیسری روشنی“
نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

"When Life Begins"
English Translation of Abu Yahya Famous book

Jab ZindagiShuruHo Gee

”حدیث دل“
موثر انداز میں لکھے گئے علمی، فکری اور تذکیری مضامین کا مجموعہ

”قرآن کا مطلوب انسان“
قرآن کے الفاظ اور احادیث کی روشنی میں جانیے اللہ ہم سے کیا چاہتے ہیں